سلسلۂ اشاعتِ قرآن حیدرآباد دکن

جلد (۱) بابتہ ذی الحجہ المحرام ۱۳۴۸ھ ۱۹۲۹ نمبر (۲)

علم تفسیر تاریخی حیثیت سے

مرتبہٗ

ابو محمد مصلح کان اللہ لہٗ

دفتر

قرآنی تحریک حیدرآباد دکن

چندہ سالانہ دس روپے ۔ ماہوار پورے سٹ کی قیمت ایک روپیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

مولانا سید ہاشم ندوی

علم تفسیر تاریخی حیثیت سے چونکہ علوم اسلامیہ میں مقدم
اور افضل ہے اسلیئے ہر زمانہ میں علماء نے اس طرف اپنی توجہ مبذول
کی ہے اسکی ابتدا تو عہد نبوی میں شروع ہو گئی تھی لیکن صحابہ کے عہد
میں اس علم کو بڑا فروغ حاصل ہوا کیونکہ قرآن کی تبلیغ نے صحابہ
کو ہمہ تن اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا اور خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ
(تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو قران کی تعلیم حاصل کرے اور تعلیم دے)
کے ارشاد نبوی صلعم نے ان میں ایک حقیقی ذوق اور شوق پیدا کر دیا
تھا۔ وہ شب و روز اس پاک کلام کے معانی اور مطالب کے ادھیڑبن
میں مصروف رہتے تھے چنانچہ صحابہ کبار اس مقدس کتاب کے الفاظ لغات
اور محاورات۔ استعارات اور کنایات قصص اور حکایات غور وخوض کرنے

جو تسلیخ پیدا کرتے اور احادیث نبوی اور آیات قرآنی پر نظر غائر ڈالکر جن مسائل کا استنباط فرماتے انکو اپنے تلامذہ کے سامنے بیان فرماتے جہاں کہیں معانی اور مطالب میں اختلاف ہوتا آپس میں مباحثہ کرتے جیسے مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا کی تفسیر میں حضرت عمرؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ میں اختلاف پیدا ہو گیا تھا[۱]۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ عُمَرُ اَقْرَئُنَا اُبَیٌّ وَ اَقْضَانَا عَلِیٌّ وَاِنَّا لَنَدَعُ مِنْ قَوْلِ اُبَیٍّ وَذَاکَ اَنَّ اُبَیًّا يَقُوْلُ لَا اَدَعُ شَيْئًا سَمِعْتُهٗ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ قَالَ اللّٰهُ مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہم میں ابیؓ سب سے بڑے قاری ہیں اور علیؓ سب سے بڑے قاضی – لیکن ہم نے ابیؓ کے اس قول کو ترک کر دیا وہ یہ کہ ابیؓ کہتے ہیں کہ میں نے جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے اسمیں سے کسی چیز کو میں ترک نہیں کرونگا حالانکہ خدا نے فرمایا ہے مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا اسی طرح حضرت عثمانؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیر

---

[۱] بخاری جلد دوم

سے ایک آیۃ کے متعلق اس طرح بحث آئی۔

حضرت ابن زبیر فرماتے ہیں کہ   قَالَ ابْنُ الزُّبَیْرِ قُلْتُ لِعُثْمَانَ بْنِ
میں نے عثمانؓ بن عفان سے کہا   عَفَّانَ وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ
کہ وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ الخ   وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا قَالَ
کی آیت کو دوسری آیت نے تو   قَدْ نَسَخَتْهَا الْاٰیَةُ الْاُخْرٰی فَلِمَ
منسوخ کردیا ہے پھر آپ نے قرآن   تَکْتُبُهَا اَوْ تَدَعُهَا قَالَ یَا ابْنَ
میں کیوں لکھا یا کیوں چھوڑا   اَخِیْ لَا اُغَیِّرُ شَیْئًا مِنْهُ
حضرت عثمان نے فرمایا کہ اے   مِنْ مَکَانِهٖ ۔
ابن اخی میں قرآن کی کسی چیز کو اپنی جگہ سے ہٹا نہیں سکتا۔

غرض کہ صحابۂ کرام ہی کے عہد مبارک میں تفسیر کے درس و تدریس کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا چنانچہ مفسرین صحابہ میں خلفائے اربعہ کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عباس۔ عبداللہ بن مسعود۔ ابی بن کعب۔ معاذ بن جبل۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم اجمعین استاد فن تسلیم کئے گئے اور تلامذہ صحابہ یعنی تابعین میں مجاہد۔ عکرمہ۔ طاؤس۔ عطا۔ حسن بصری وغیرہ مفسرین مشہور ہوئے

ہیں اسکے بعد علم تفسیر کی تدوین کا دور شروع ہوا۔ اس میں سفیان بن عیینہ۔ وکیع۔ شعبہ۔ عبدالرزاق وغیرہ کو تقدم کا شرف حاصل ہے۔

علامہ ابن خلدون نے علم تفسیر کی دو قسمیں کی ہیں ایک نقلی جیسے ناسخ اور منسوخ۔ اسبابِ نزول مقاصد آیات وغیرہ یہ چیزیں صحابہ اور تابعین سے منقول اور مروی ہیں نقل کے سوا کوئی اور دوسرا سلسلہ اسمیں نہیں پیدا ہوسکتا۔ متقدمین نے ان روایات اور منقولات کو کتابوں میں جمع کردیا ہے لیکن انکی کتابوں میں مقبول اور مردود۔ اعلیٰ اور ادنیٰ ہر قسم کی روایتیں داخل ہوگئی ہیں اسکی اصلی وجہ یہ ہوئی کہ عرب شروع شروع نہ تو اہل کتاب تھے اور نہ اہل علم، وحشت اور جہالت ان میں گھر کرگئی تھی مگر جب انکو علوم کیطرف شوق پیدا ہوا۔ اسبابِ تکوین اسرارِ وجود اور تخلیق عالم کے مسائل کیطرف متوجہ ہوئے تو انکے سامنے اہل کتاب یعنی علمائے یہود اور نصاریٰ تھے اس لیے وہ انہیں سے ان مسائل کو دریافت کرنے لگے۔ اہل توریت کا اس زمانہ میں جو مبلغ علم تھا وہ عوام کے

معلومات سے کچھ زیادہ نہ تھا۔ انکی بہت بڑی جماعت بنو حمیر کے
ان لوگوں پر مشتمل تھی جو دین یہودیت کو اختیار کر چکے تھے جب
یہ لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے جیسے کعب احبار وہب
بن عتبہ اور عبداللہ بن سلام تو اُنکے سابقہ معلومات جو مسئلۂ
تخلیق۔ ملاحم اور قصص وغیرہ سے متعلق تھے علیٰ حالہ باقی رہے اور
بعد میں اُنھوں نے انکی روایت سے احتیاط نہیں کی اس بنا پر
تفسیر کی کتابیں اُنکے منقولات سے بھر گئیں مفسرین نے ان روایتو
کے لینے میں صحت اور عدم صحت کا مطلق خیال نہیں کیا اور اصل
یہ ہے کہ علمائے توریت کی اس غیر معمولی عظمت اور شہرت کی بنا پر
جو انکو مذہبی حیثیت سے حاصل تھی اُنکے اقوال کو مقبولیت عامۃ
حاصل ہوگئی اور اسی طرح ہماری کتابوں میں داخل ہوگئیں لیکن
جب علمائے اسلام کو تحقیق اور تنقید کیطرف توجہ ہوئی تو اس پر غائر نظر
ڈالنے لگے۔ چنانچہ مغرب میں ابو محمد بن عطیہ نے سب سے پہلے ان
تفاسیر کا خلاصہ کیا اور قابل اعتماد روایات اور منقولات کو الگ
کر لیا اور اسکے بعد مشرق میں قرطبی نے اسکی اتباع کی تفسیر کی دوسری

قسم زبان سے متعلق ہی۔ یعنے لغت۔ اعراب۔ بلاغت اور اسالیب
قرآن کی معرفت پر مشتمل ہے۔ اس صنف پر متقدمین نے بہت
کم لکھا ہے کیونکہ ان کے پیش نظر ہمیشہ صنف اوّل ہی رہی ہے
اور یہ چیزیں اس وقت پیدا ہوئیں جبکہ عرب میں صناعۃ العرب
کا وجود ہوا البتہ بعض تفاسیر میں لغوی اور معنوی تحقیقات
موجود ہیں لیکن بہت کم ہیں۔ اس صنف پر سب سے معرکۃ الآرا کتاب
زمخشری کی تفسیر کشاف ہی اگرچہ اس کا مصنف معتزلی تھا۔

طبقات المفسّرین

اس فن کی اہمیت اور فضیلت کے لحاظ سے علم الطبقات میں
طبقات مفسرین کا نمبر سب سے اوّل ہونا چاہیئے تھا لیکن چوں کہ
تفسیر اور حدیث یہ دونوں علوم توام تھے اور ایک ہی سرچشمہ
سے نکلے تھے اس لیئے عرصہ تک یہ دونوں ایک جان اور دو
قالب رہے عہد اول یعنے صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں تفسیر
حدیث اور حدیث تفسیر تھی اور اسی طرح محدث مفسر تھا اور مفسر

محدث تھا اس بنا پر دونوں کی رجال کی تاریخ آپسمیں منضم ہوگئی۔ چنانچہ ائمۂ فن رجال نے رجال حدیث اور رجال تفسیر کو ایک ہی سلسلہ میں رکھا ہے۔ متاخرین میں سے علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے سب سے پہلے اس موضوع پر قلم اٹھایا اور رجال تفسیر کو الگ کر کے طبقات المفسرین لکھی۔ علامہ سیوطی کی یہ کتاب مشہور اور معروف ہے جسمیں انھوں نے رجالِ تفسیر کو چار طبقوں پر منقسم کیا ہے۔[۱]

(اولیٰ) مفسرین صحابہ۔ تابعین اور تبع تابعین۔

(ثانیہ) مفسرین از جماعت محدثین۔ یہ وہ اصحاب ہیں جنھوں نے مسانیدِ صحابہ اور اقوالِ تابعین سے تفسیر کو مرتب کیا۔

(ثالثہ)۔ مفسرین از علماء اہل سنت جنھوں نے تفسیر اور تاویل کو منضم کر دیا ہے اور معانیِ قرآن اور اس کے احکام اور اعراب پر نظر ڈالی ہے۔ موجودہ زمانہ میں لوگ اسی طرف زیادہ منہمک ہیں۔

(رابعہ)۔ از جماعت مبتدعہ جیسے معتزلہ اور دیگر فرق باطنیہ علامہ سیوطی کے نزدیک حقیقی طور پر تفسیر کا اطلاق دورِ اول

[۱] ماخوذ از طبقات المفسرین

پر ہوگا اور دورِ ثانی کا ناقلین میں شمار ہوگا۔ اور دورِ ثالث والے مؤلین کہلائینگے۔

اردو زبان میں چونکہ علومِ اسلامیہ کی تاریخ کا سلسلہ ابتک مکمل طریقہ پر نہیں شروع ہوا ہے۔ اس لیے ضرورت ہے کہ علوم کی تاریخ کی ترتیب کا کام علمائے ہند اپنے ہاتھ میں لیں تاکہ ملک و ملت کو اس سے استفادہ کا موقع مل سکے۔ اسی خیال کو پیش نظر رکھکر اس ناچیز نے تاریخ علم تفسیر پر ایک تالیف کا ارادہ کیا (وما توفیقی الا باللہ) اس کتاب میں سب سے پہلے علم تفسیر پر ایک مقدمہ لکھا گیا ہے جس میں اس علم کی تعریف موضوع اور غرض و غایت سے بحث کی گئی ہے اور اس کیساتھ ان علوم و فنون کی توضیح کیگئی ہے جن پر اس علم کا انحصار ہے تاکہ ہر طبقہ کی خصوصیات اور امتیازات کے معلوم کرنے میں سہولت ہو۔ اسکے بعد طبقاتِ مفسرین اور انکی خصوصیات سے مفصل بحث کی گئی ہے۔

علامہ سیوطیؒ نے جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے صحابہ تابعین

اور تبع تابعین کو ایک ہی طبقہ میں شمار کیا ہے لیکن اس کتاب میں ترمیم کر کے ان کو تین طبقوں پر منقسم کیا گیا ہے کیونکہ یہ تینوں طبقے عدالت اور صداقت کے اعتبار سے مختلف ہیں اس لیے اس امتیاز اور خصوصیت کو جس طرح علم حدیث میں محدثین نے باقی رکھا اس علم میں بھی باقی رکھنا ایک مفسر اور مورخ کیلئے ضروری ہے۔ اسی طرح مفسرین صوفیار کو بھی ایک علحدہ طبقہ میں رکھا گیا ہے۔ اگرچہ اس طبقہ پر بعض علماء کو اعتراض ہے لیکن اس کو تاریخ تفسیر سے خارج کرنا دراصل ایک اہم باب کو ضائع کرنا ہے۔ خصوصاً جبکہ مفسرین فرق باطنیہ کے احوال سے بحث کی گئی ہے تو مفسرین طبقہ صوفیار کے احوال کو بھی بیان کرنا ایک ضروری امر ہے تاکہ دونوں طبقوں میں جو امتیاز اور فرق ہے وہ نمایاں ہو جائے۔ اس طرح ان تمام طبقات کو پیش نظر رکھکر تاریخ تفسیر کے آٹھ دور قائم کیے گئے ہیں اور ہر دور میں اسکے خصوصیات اور مدارج علم تفسیر سے مفصل بحث کی گئی ہے۔

(۱) دورِ اوّل تفسیر بعہدِ صحابہ کرام (۲) دورِ ثانی تفسیر بعہدِ تابعین
(۳) دورِ ثالث تفسیر بعہدِ تبع تابعین (۴) دورِ رابع تفسیر بعہدِ محدثین
(۵) دورِ خامس تفسیر بعہدِ فقہا۔ (۶) دورِ سادس تفسیر بعہدِ متکلمین
(۷) دورِ سابع تفسیر بعہدِ صوفیا (۸) دورِ ثامن تفسیر بعہدِ فرقِ باطنیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ - علم تفسیر

لفظ تفسیر کی تحقیق - تفسیر کے اشتقاق میں اہل لغت کا اختلاف ہے[1] بعض کہتے ہیں کہ یہ فسر سے مشتق ہی فسر کے معنی بیان کرنے کے ہیں اور دوسرے معنی کسی مستور اور مخفی چیز کو ظاہر کرنا چونکہ تفسیر میں مشکل لفظ کے مخفی معنی کا اظہار اور بیان ہوتا ہی اس لیئے اسکو تفسیر کہتے ہیں بعض اسکو سفر کا منقلوب بتاتے ہیں اور اسفار صبح جسکے معنی روشن ہونے کے ہیں اس سے ماخوذ تسلیم کرتے ہیں چونکہ تفسیر میں بھی لفظ کے معنی کو روشن کیا جاتا ہی اسلیئے اسکو تفسیر کہتے ہیں بعض اسکو اتفسرہ سے ماخوذ بتاتے ہیں جسکے معنی تشخیص مرض کے ہیں چونکہ تفسیر میں روایات سے اصل معنی کی تشخیص ہوتی ہے اس لیئے اسکو تفسیر کہتے ہیں مذکورۂ بالا اقوال میں پہلا

[1] لسان العرب

قول مرجح ہے کیونکہ قرآن نے لفظ تفسیر کے معنیٰ توضیح اور بیان ہی کے متعین کیئے ہیں۔

وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ وہ کوئی ایسی مثال تیرے لیئے نہیں بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا - لاتے جسکو ہم حق کے ساتھ اور اس سے زیادہ وضاحت اور بیان کے ساتھ تیرے پاس نہ لاتے ہوں

امثال کے معانی چونکہ اکثر پردۂ خفا میں رہتے ہیں اس لیئے اُسکے معنیٰ اظہار اور بیان اور اسکی تردید کو تفسیر سے تعبیر فرمایا ہے۔

اسی آیت کریمہ سے علم تفسیر کی وجہ تسمیہ بھی معلوم ہو گی۔

تفسیر کے شرعی معنیٰ۔ یہ اختلافات تو لغوی تھے لیکن شرعی معنیٰ یہ ہیں کہ کسی آیت کے مطلب قصہ کیفیت اور شان نزول کی توضیح ایسے الفاظ میں کیجائے کہ جن پر اس آیت کے الفاظ بھی دال ہوں تفسیر ہی کی ایک قسم تاویل ہے۔ تاویل کا اشتقاق اول سے ہے جسکے معنیٰ رجوع کے ہیں چونکہ آیت کو اسکے معانی محتملہ پر پلٹا یا جاتا ہے اسلیئے اسکو تاویل کہتے ہیں تاویل اور تفسیر کے طلاق میں اختلاف ہے۔ ابوعبید ابن اعرابی وغیرہ کے نزدیک دونوں کے معنیٰ ایک ہی ہیں۔ راغب کے نزدیک

سلہ مفتاح السعادہ

تفسیر تاویل سے عام ہے۔ تفسیر کا اکثر استعمال الفاظ اور مفردات لغت کی توضیح کے لیے ہے اور تاویل کا معانی اور جملوں کی تشریح کیلیے ہے اسی فرق پر تَفۡسِیۡرُ الرُّؤۡیَا وَتَاۡوِیۡلُهَا کا مقولہ بھی دال ہے لیکن تفسیر کا بھی استعمال کبھی دونوں معنی کے لیے بھی ہوتا ہے۔

ابو المنصور ماتریدی کا قول ہے[۱] کہ تفسیر کا اطلاق الفاظ کے ایسے معانی پر ہوتا ہے جن پر یہ باور کرنے کے لیے کافی شہادتیں موجود ہوں کہ خدا تعالیٰ نے اس لفظ کے یہی معنی مراد لیئے ہیں اگر اس معنی پر کوئی قطعی دلیل قائم ہو جائے تو یہ تفسیر ہے اور تاویل الفاظ کے متعدد معانی محتملہ میں سے کسی ایک معنی کو بلا کسی دلیل و حجت کے ترجیح دینے کو کہتے ہیں۔ اسی فرق کے لحاظ سے تفسیر بالرائے ممنوع ہے لیکن تاویل بالرائے جائز ہے۔ کیونکہ تاویل میں معنی ظنی اور قیاسی ہوتے ہیں۔

بعض علماء نے تفسیر اور تاویل میں اس طرح فرق کیا ہے کہ تفسیر کا تعلق روایت سے اور تاویل کا درایت سے ہے۔

تعریف علم التفسیر۔ تفسیر کی تعریف میں بھی علماء میں اختلاف ہے لیکن

---

[۱] اتقان۔

علامہ زرکشیؒ کی تعریف ایک حد تک صحیح ہے۔ انکے نزدیک تفسیر وہ علم ہے کہ
جسکے ذریعہ سے کتاب اللہ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی سمجھیں
آسکے اور جسمیں اسکے معانی، مطالب اور احکام سے بحث ہو۔ اور علم اللغۃ۔
نحو۔ صرف۔ بیان۔ اصول قرأت سے ان معانی کی توضیح میں مدد لیگئی ہو۔
اور اسباب نزول۔ ناسخ اور منسوخ وغیرہ سے بحث کی گئی ہو۔

محمد بن حمزۃ الفناری المتوفی ۸۳۴ھ نے اپنی کتاب تفسیر الفاتحہ میں
علم تفسیر کی تعریف پر ایک مفصل بحث کی ہے جسمیں وہ لکھتے ہیں کہ تفسیر کی سب سے
جامع اور مانع تعریف یہ ہے کہ یہ وہ علم ہے کہ جسکے ذریعہ سے احوال کلام اللہ
تلفظ اور ان معانی کے اعتبار سے معلوم ہوں جنکے متعلق قطعی یا ظنی طور پر طاقت
بشری کی حد تک یہ علم ہو کہ اللہ سبحانہ نے اس لفظ سے یہی معنی مراد لیا ہے۔

قرآن نے چونکہ اقوام کی اخلاقی اور تمدنی اصلاح مذہبی اور روحانی
انقلاب کا دعوی پیش کیا تھا اس لیے ضرورت تھی کہ اسکے متن اور محاورات کی
تحقیق اور تدقیق کیجاتی۔ اسکے معانی اور مطالب پر ہر پہلو سے نظر ڈالی جاتی
اور اسکے دقیق اور اہم مسائل کو ذہن نشین کیا جاتا۔ تاریخی واقعات سے
جو عبرت آموز سباق حاصل ہوتے ہیں ان سے اقوام کی حیات قومیہ کا دستور العمل

نبایا جاتا۔ قدرت کے جن مظاہر اور مناظر کو قرآن نے آیاتِ ربانی سے تعبیر کیا ہے ان
پر ایک مبصرانہ نگاہ ڈالی جاتی تاکہ نزولِ قرآن کی اصل غرض و غایت پوری ہوتی
اقوامِ عالم کے انہی اہم ضروریات کو پیش نظر رکھتے ہوئے قرآن نے اپنے معانی و
مطالب۔ امثال و تشبیہات قصص و حکایات کیطرف انسان کو بار بار دعوت
دی ہے چنانچہ امثال کے متعلق قرآن میں ہے وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَ
مَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ اور یہ امثال ہم لوگوں کیلیے بیان کرتے ہیں جنکو اہلِ
علم کے سوا دوسرے نہیں سمجھتے۔ اسی معنی کی ایک دوسری آیت بھی ہے وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ
نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ اور یہ امثال ہم لوگوں کیلیے بیان کرتے ہیں تاکہ
وہ غور و فکر کریں۔ ایک آیت میں نزولِ قرآن کی غرض و غایت کیطرف اس طرح اشارہ کیا ہے
كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ لِيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ
ہم نے ایک مبارک کتاب نازل کی ہے
تاکہ اسکی آیات کو لوگ سمجھیں اور صاحبِ عقل انکو یاد کریں۔ ایک دوسری
آیت میں معانیِ قرآن کے سمجھنے کا حکم دیا گیا ہے إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا
لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ۔ ہم نے عربی قرآن نازل کیا تاکہ تم اسکے معانی کو سمجھو
ایک دوسری آیت میں قصص و حکایات کے بیان کی غرض ظاہر کیگئی ہے وَتِلْكَ

آیٰتُ الکتابِ المبین نتلو علیک من نباء موسیٰ و فرعون بالحق لقوم یومنون یہ آیتیں کتاب مبین کی آیتیں ہیں ہم موسیٰ اور فرعون کی خبریں تم سے صداقت کے ساتھ ایمان لانیوالی قوم کے لیئے بیان کرتے ہیں تاکہ اس سے وہ نفع اٹھائے۔ ایک جگہ پر معرفت بالقرآن کو حکمت سے تعبیر کیا ہے۔

یؤتی الحکمۃ من یشاء ومن یوتی الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا۔ جسکو چاہتا ہے حکمت دیتا ہے اور جسکو حکمت دی گئی اسکو بہت بڑی خیر عطا کی گئی

حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ حکمت کے معنی یہاں پر معرفت بالقرآن کے ہیں اسی طرح حضرت ابو درداؓ نے حکمت کے معنی قرأت قرآن بیان فرمایا ہے اور حضرت علیؓ کی بھی ایک روایت ہے جس میں حکمت کے معنی معرفت بالقرآن کے ہیں۔ قرآن مجید کی اس دعوت حقہ پر لبیک کہتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو خاص طور پر اسکے معانی و مطالب پر غور وخوض کرنیکی ہدایت فرمائی اور اسکی عام تعلیم کا حکم دیا چنانچہ حضرت عثمانؓ کی حدیث ہے جس میں قرآن کی تعلیم کی خاص ہدایت ہے عن عثمان قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان افضلکم من تعلم القرآن وعلمہ حضرت عثمانؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سب سے افضل وہ ہے جو قرآن کی تعلیم حاصل کرنا یا تعلیم دیتا ہے

۱؎ الاتقان ۲؎ مفتاح السعادہ